مداوا

انیسؔ مرزا

852، چاندنی محل، دریا گنج، دہلی۔110002

''قسمت ..... اندھی قسمت سب کچھ چھین لیتی ہے۔ ایک لمحہ میں سب کچھ برابر کر دیتی ہے۔ اب تو گھر میں یادوں کے سوا کچھ بھی نہیں—'' جمیلہ گہری سانس لے کر کہنے لگی۔ ''سیاہ راتوں کے سفر نے مجھے روشنی سے بہت دور کر دیا ہے۔''

نائلہ نے شعلہ بار نگاہوں سے ماں کو گھورا— ''مجھے لگتا ہے کہ تم خود اُس سے ملنے کی تمنّا رکھتی ہو اور اُس سے ملنے کی خواہش مند ہو۔ اگر تمہارے دل میں یہ جذبہ نہ ہوتا تو کبھی نہ کہتیں کہ حامد واپس آ جائے تو اچھا ہے—''

''بیٹی! وہ تھوڑی دیر کے لیے ہم سے ملنا چاہتا ہے، ممکن ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ثابت ہو—'' جمیلہ نے افسردہ لہجے میں کہا اور جھک کر وہ مڑا تڑا کاغذ کا پُرزہ اُٹھانے لگی جو ابھی نائلہ نے غصّے میں مروڑ کر فرش پر پٹک دیا تھا۔

''شاید تم بھول گئی ہو ماں کہ وہ اپنی خوشیوں اور اُجالوں کی خاطر ہم دونوں سے منہ موڑ کر چلا گیا تھا، کیا اُس کی یہ چند سطریں اُن زخموں کا مداوا ہو سکتی ہیں جو اُس نے ہمارے دلوں پر لگائے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کے لیے رُکی پھر بولی— چنانچہ خواہشوں کے دام، خوابوں کے طلسم اور ہوس کے جال سے نکل آؤ ماں! پلیز—''

لیکن بیٹی! وقت کی کسوٹی میرے ہاتھ میں نہیں جس پر دوستی اور دشمنی یا محبت یا ہوس کو پرکھا جا سکے، بعض اوقات راستے اور منزلیں خود بخود گھر بیٹھے انسان کے سامنے آ جاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ آؤ مجھے حاصل کر لو، یا تقدیر ہمیں غیر محسوس طور سے اُس جگہ لے جاتی ہے جہاں ہمیں جانا چاہیے، رہا دلوں کے گھاؤ تو وہ باتوں سے نہیں بھرا کرتے— یہ کہہ کر جمیلہ نے مڑا تڑا کاغذ کا پرزہ کھولا اور اپنے شوہر حامد کا خط پڑھنے لگی۔

پیاری جمیلہ!

میں اپنی ملازمت کے سلسلے میں بہت دور سمندر پار جانے والا ہوں اور جانتا ہوں کہ تجدید عہد رفاقت کا وقت گزر چکا ہے، لیکن اپنی روانگی سے پہلے ایک بار میں تم سے ضرور ملاقات کرنا چاہتا ہوں اسی لیے اتوار کے دن آ رہا ہوں۔

محبتوں کے ساتھ

حامد

محبتوں کے لیے ہی تو جمیلہ کب سے ترس رہی تھی۔ جب سے حامد گیا تھا، اُسے لگتا تھا جیسے زندگی کا دامن محبتوں اور مسرتوں سے خالی ہو گیا ہے اور اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کے حصّے کی ساری خوشیاں بھی حامد کے ساتھ ہی چلی گئی ہیں اور جوں جوں جدائی کی فصیل بلند ہوتی جا رہی ہے، تنہائی کا روگ اور دل کا درد بھی ناقابل تسخیر ہوتا جا رہا ہے..... پھر وہ چونکی اور اُس نے اپنی بیٹی نائلہ کی طرف دیکھا جو ابھی تک اُسے شعلہ بار نگاہوں سے گھورے جا رہی تھی۔

آج اتوار کا دن تھا اور حامد آنے والا تھا، جمیلہ نے سوچا کہ اُسے حامد کا خط نائلہ کو پہلے ہی دکھا دینا چاہیے تھا، مگر وہ نہ جانے ایسا نہ کر سکی تھی، شاید نائلہ سے اُسے اسی ردّعمل کا اندیشہ تھا جس کا اظہار اُس نے ابھی ابھی کیا تھا، لیکن اُسے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ نائلہ اتنی بُری طرح بپھر جائے گی، ایک زمانے میں تو حامد اپنی بیٹی کا آئیڈیل ہوا کرتا تھا، لیکن اب وہ اس سے نفرت کرتی تھی، مگر جمیلہ کو اس نفرت کی شدت کا اندازہ نہیں تھا اُس نے پھر نائلہ کی طرف دیکھا تو وہ بولی— ماں! تم سمجھتی ہو کہ میں احساس سے محروم ہوں، نہیں ماں! جب مجھے اپنی سہیلیوں سے معلوم ہوا کہ میرا باپ کسی دوسری عورت کے چکّر میں ہے تو میرا دل کٹ کر رہ گیا تھا.... یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ ''تمہارے لیے یہ سب بھول جانا آسان ہو تو ہو، مگر میں اُسے کبھی نہیں بھول سکتی، میرے باپ نے ہمیں دنیا بھر کے مذاق کا موضوع بنا دیا ہے۔''

''اپنے باپ کے لیے ایسا مت کہو بیٹی! وہ ہمیشہ ہم دونوں سے محبت کرتا تھا۔''

نائلہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، جن میں آنسو ستاروں کی مانند

جھلملا رہے تھے، اُس نے ایک کرب آمیز سسکی سی لی۔ کیا واقعی وہ ہم سے محبت کرتا تھا ماں؟ اگر ایسا ہوتا تو وہ ہمارا خیال رکھتا، ہمارے دلوں پر چرکے نہ لگاتا—'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھی اور دروازے کے پاس جا کر رُک گئی— ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس کی آمد کی خبر مجھے کیوں اور اس کا خط کیوں دکھایا، میں تو اب اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تم دونوں کو میری ضرورت نہیں ہے—''؟ اس کا غصّہ پھر عود کر آیا تھا۔

نہیں میری بچّی! تم ایسا سمجھتی ہو، اب تمہارا باپ آنے والا ہے، اُس سے بھی پوچھ لینا، تمہاری یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی—''

مگر نائلہ نے کوئی جواب نہیں دیا، باہر نکل کر بڑے زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔

جمیلہ چند لمحوں تک ساکت و جامد کھڑی رہی، اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی آدھی جان نکل گئی ہو، گھر کی دیواریں، بام و در کس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں، جب کوئی مرتا ہے تو یہ کیسے سب کے ساتھ آنسو بہاتے ہیں اور جب گھر میں خوشیوں کے شادیانے بجتے ہیں تو وہ کیسے مسکراتے ہیں، اس وقت جمیلہ کا سارا وجود سناٹوں میں گھر گیا تھا، گزرے ہوئے وقت کا کوئی سراغ تھا تو صرف اس کے ذہن میں اور یادوں کی صورت میں اور اب تو گھر میں یادوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، مگر وقت نے یادوں کی شدت کو بھی آہستہ آہستہ کم کر دیا تھا اور اُسے حقیقت سے سمجھوتہ کرنا سکھا دیا تھا۔

حامد جب سے گیا تھا جمیلہ کو یوں لگتا تھا جیسے زندگی کا دامن محبتوں اور خوشیوں سے خالی ہو گیا ہے اور اُسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اُس کے حصّے کی ساری خوشیاں بھی حامد کے ساتھ چلی گئی ہیں اور جوں جوں جدائی کی فصیل بلند ہوتی جا رہی ہے، تنہائی کا روگ اور دل کا درد بھی ناقابل تسخیر ہوتا جا رہا ہے؟ آج سے ٹھیک ایک سال پہلے بھی نائلہ نے اسی طرح دروازہ بند کیا تھا اور روتی ہوئی بھاگی تھی، مگر تب اُس کا مخاطب اس کا باپ حامد تھا، اُس نے حامد سے کہا تھا— ''مجھے تم سے نفرت ہے پاپا!.... بے پناہ نفرت—''

اور حامد یہ سن کر ساکت و جامد کھڑا رہ گیا تھا، اُس کے چہرے پر سارے جہان کا کرب سمٹ آیا تھا، یوں لگتا تھا وہ بھرے پُرے بازار میں دن دہاڑے لٹ گیا ہو اور اُس کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا ہو، پھر وہ دروازے کی طرف جاتے جاتے رُکا، جمیلہ کی جانب پلٹا اور زخمی نگاہوں سے تکنے لگا تھا، اُس کے چہرے پر درد کے سائے لہراتے دیکھ کر خود جمیلہ کا دل بھی ڈوبنے لگا تھا، مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکی تھی..... حامد بھاری بھاری قدموں سے باہر نکلا اور دروازہ بند کر کے چلا گیا تھا اور اُس کے قدموں کی دور ہوتی چاپ جمیلہ کے ذہن پر ہتھوڑے برسانے لگی تھی، ہر قدم جو اُسے دور لے جا رہا تھا، یہ احساس دلا رہا تھا کہ اب وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا....

اور تب جمیلہ نے سوچا تھا کہ وہ یہاں سے سیدھا اپنے آفس میں کام کرنے والی اُس لڑکی کے پاس جائے گا جو خوبصورت بھی تھی اور حامد سے دس سال چھوٹی بھی..... اور جمیلہ کو پچھتاوا ہونے لگا کہ جب پہلی بار اُس نے اپنے شوہر کو اُس لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا تو اُسے خاموش نہیں رہنا چاہیے تھا، جمیلہ نے اُن دونوں کو ایک کیفے میں کافی پیتے اور ہنس ہنس کر سرگوشیاں کرتے دیکھا تھا اور اُس وقت دیکھا تھا جب حامد کو وہاں سے تیس کلومیٹر دور اپنے آفس میں موجود ہونا چاہیے تھا۔

جمیلہ نے ایک گہری سانس لے کر سوچا کہ اُس نے حامد سے باز پُرس کرنے کے بجائے خاموش رہ کر بڑی غلطی کی تھا، اُسے اپنے تئیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے تھا کہ زندگی میں ایسا ہوتا رہتا ہے اور حامد کا کسی لڑکی سے ملنا خطرناک ثابت نہیں ہوگا، دوسرے اس نائلہ کو بھی بے حد نرمی کے ساتھ اس تلخ حقیقت سے آگاہ کر دینا چاہیے تھا تاکہ اُسے دوسروں سے صورتحال معلوم ہونے پر شدید ذہنی جھٹکا نہ لگتا، لیکن تب وہ اس حقیقت کو، اس سچ کو تسلیم کرنا نہیں چاہتی تھی کہ اس کی محبت پر کوئی دوسری عورت ڈاکہ ڈال رہی ہے، اگر وہ اس بات کو سچ تسلیم کر لیتی تو اُس سے ہر اُس اُمید کا سہارا بھی چھوٹ جاتا۔

اور جب حامد نے گھر آنا اور اُن سے ملنا چھوڑ دیا تو اُس کے کچھ ہی دنوں بعد جمیلہ کو پتہ چلا کہ حامد کا تبادلہ وہاں سے تین سو کلومیٹر دور ہو گیا ہے، اس طرح اگرچہ وہ لڑکی حامد کی زندگی سے نکل گئی تھی، لیکن اُس نے جمیلہ و نائلہ کی زندگی میں جو زہر گھولا تھا اُس کے اثرات اپنی جگہ پر موجود تھے۔

ماضی کی اِن یادوں کو ذہن سے دھکیل کر جمیلہ آگے بڑھی اور دروازہ کھول کر نائلہ کے بیڈروم میں پہنچ گئی، جہاں اُس کا خیر مقدم چیختی چلاتی پوپ میوزک نے کیا، جمیلہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کر لیے، نائلہ کو جب بھی غصّہ اور طیش آتا تھا تو وہ بلند آواز سے پُرشور میوزک کے کیسٹ لگا دیا کرتی تھی، شاید اس طرح وہ بیرونی شور سے اپنے دل میں اُٹھنے والے شور کو دبا دینا چاہتی تھی۔

ماں کو دیکھ کر نائلہ نے بیڈ پر بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا اور اس کے ساتھ ہی کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔

''اب اور کیا کہنے آئی ہو ماں—؟'' سناٹے میں نائلہ کی آواز گونجی۔

جمیلہ نے ایک گہری سانس لی، اُس کے پاس کہنے کے لیے بہت کچھ تھا، مگر نائلہ کا رویہ دیکھ کر اُسے لگنے لگا جیسے اُس کے سارے الفاظ بے آواز، بے معنی ہو کر اُس کا ساتھ چھوڑتے جا رہے ہوں اور اُس نے بڑی بے بسی سے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے جیسا کہنا چاہتی ہو کہ..... میں تہی دامن

ہوگئی ہوں..... تاہم اُس نے رُک رُک کر اور سوچ سوچ کر کہنا شروع کیا..... ''نن..... نائلہ! تم جانتی ہو کہ ..... نہیں..... میں جانتی ہوں کہ تمھیں تکلیف پہنچی ہے، مگر..... تمھیں تو اپنے پاپا سے بہت پیار تھا.... تم اپنی زبان سے چاہے جو کچھ کہو، لیکن یہ اچھی طرح جانتی ہو کہ وہ اچھا آدمی تھا..... ہاں! اچھا آدمی تھا.....''

نائلہ نے کچھ نہ کہا، اُس کی صورت پر صدمہ، درد و کرب، احساس بے بسی اور اُس کے لیے نفرت و ملامت کے ملے جلے جذبات کا ایک تاریک سایہ سا پھیل گیا اور وہ کچھ نہ کہنے کی خواہش سے لڑتی رہی اور کچھ کہنے کی کوشش میں اُس کے لب لرزتے رہے۔

''تمہارے پاپا نے.....'' جمیلہ نے پھر کہنا شروع کیا..... ''تمہارے پاپا نے ہم سے ملنا اس لیے چھوڑ دیا کہ وہ ہم سے بے حد شرمندہ تھا..... وہ ..... وہ دراصل تمہارا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا..... اور ..... ویسے بھی سارا قصور تمہارے پاپا کا نہیں تھا نائلہ! ..... کچھ غلطی میری بھی تھی، مجھے تم پر ساری صورتحال، ساری حقیقت واضح کر دینی چاہیے تھے، اگر میں تمھیں یہ سب پہلے ہی بتا دیتی تو تمھیں ذہنی صدمہ..... میرا مطلب ہے کہ اتنی شدت سے تمھیں ذہنی صدمہ کبھی نہ پہنچتا—''

نائلہ خاموشی سے سنتی رہی، پھر اُس نے نگاہیں نیچی کر لیں اور دوسرے ہی لمحے پلکوں کی منڈیروں پر اٹکے ہوئے آنسو اُس کے رخساروں پر ڈھلک آئے..... جمیلہ کا جی چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اُسے اپنے سینے سے لگا لے، مگر جونہی اُس نے ایک قدم آگے بڑھایا تو نائلہ فوراً پیچھے ہٹ گئی— ''ماں! مجھے پیروں پر کھڑا ہونا آ گیا ہے، مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔''

جمیلہ کے دل پر گھونسہ سا لگا اور وہ خاموش اور بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی، ناگاہ اس کی نگاہ کھلی الماری پر پڑی، جس سے وہ خوبصورت گرم کوٹ جھانک رہا تھا جو حامد نے نائلہ کے پچھلے برتھ ڈے پر اُسے تحفے میں دیا تھا اور بولا تھا— ''یہ تمہارے لیے ہے میری ننھی سی پری، اپنی پیاری پیاری بیٹی کے لیے پیارا پیارا سا کوٹ—''

اس کے ساتھ اُسے یاد آیا تب وہ ایک دوسرے کا کتنا خیال رکھتے تھے..... کتنی یگانگت اور چاہت تھی باپ بیٹی میں..... لیکن جب سے حامد نے ملنا چھوڑ دیا تھا نائلہ نے اس کوٹ کو چھوا تک نہیں تھا، اس لمحے نائلہ نے الماری کا دروازہ کھٹاک سے بند کر دیا، جمیلہ سمجھ گئی کہ نائلہ نے اُسے الماری میں رکھے کوٹ کو دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا، جمیلہ شرمسار سی ہوگئی بولی— ''میں تمھیں بچوں کی طرح نہیں بہلانا چاہتی بیٹی! جیسا کہ تم نے ابھی کہا، اب تم بڑی ہوگئی ہو اور حقائق کا سامنا کر سکتی ہو، اس لیے میں تمھیں کچھ باتیں بتانا چاہتی ہوں جو مجھے پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھیں—''

نائلہ کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہوئے اور اُس نے تحیر سے ماں کی طرف دیکھا۔

''کیا تم واقعی یہ سمجھتی ہو کہ تمہارے باپ نے ہم نے ملنا چھوڑ دیا ہے..... نہیں..... بلکہ ہم نے خود اُس پر اپنے گھر کے دروازے بند کر رکھے ہیں، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ بُرا سلوک کیا ہے، ہمارے سخت اور تلخ رویے نے اُسے شدید کوفت پہنچائی ہے، سچ تو یہ ہے نائلہ کہ جب مجھے دوسرا بچہ نہ ہوا اور میں آزردہ و ملول سی رہنے لگی تو تمہارا باپ کہا کرتا تھا کہ اُسے بیٹے یا مزید بچوں کی ضرورت نہیں ہے، میرے ساتھ تم ہی اُس کے لیے سب کچھ ہو—'' بولتے بولتے اس کی آواز بھرّا گئی..... ''مم..... مگر مجھے ایک بیٹے کی شدید خواہش تھی جب کہ ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ اب میں کسی بچے کو پیدا نہیں کر سکوں گی..... تب میں کتنی بدمزاج اور چڑچڑی ہوگئی تھی، شاید تمھیں بھی یاد ہو، اُن دنوں تمہارا باپ تمہارا کتنا خیال رکھتا تھا، تمھیں خوش رکھنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا تھا—''

نائلہ نے جمیلہ کی طرف یوں دیکھا جیسے اُسے وہ دن یاد آ گئے ہوں۔

''جب کہ سچ تو یہ ہے کہ ان دنوں میں خود ہی تم دونوں سے دور ہوگئی تھی—'' جمیلہ بولے جا رہی تھی۔ ''اور میں نے ہی تمہارے باپ کو یہ موقع دیا تھا کہ وہ کسی دوسری عورت کی باہوں میں چلا جائے—'' اتنا کہہ کر جمیلہ وہاں رُکی نہیں اور تیزی سے نائلہ کے بیڈروم سے نکل گئی تھی۔

واش بیسن میں لرزتے ہاتھوں سے وہ منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی تاکہ روتے روتے اس کی آنکھیں متورم نہ ہو جائیں۔ وہ حامد کے سامنے آنکھوں کی چغلی سے بچنا چاہتی تھی۔ آئینے میں اپنی شکل کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے خیالات کی رو ایک بار پھر نائلہ کی طرف چلی گئی، جب سے حامد نے ملنا چھوڑا تھا، نائلہ اس کا کتنا خیال رکھنے لگی تھی، جب وہ تھکی ہاری بچوں سے مغز کھپا کر اسکول سے گھر واپس لوٹتی تھی تو نائلہ کتنی گرمجوشی سے اس کا استقبال کرتی تھی۔ جمیلہ کو سارا گھر صاف ستھرا ملتا تھا اور کھانا بھی تیار ہوتا تھا۔ نائلہ اپنے تئیں اس کے وہ زخم مندمل کر رہی تھی جو حامد کے عطا کردہ تھے۔

اور اس خیال نے جمیلہ کو یہ احساس دلایا کہ اس نے اپنی بیٹی کو چاہت کو کتنی بے دردی سے کچل دیا تھا۔ اس نے زیورات کا ڈبّہ اُٹھایا اور شادی کی انگوٹھی نکال کر اپنی انگلی میں پہن لی، جب سے حامد سے علیحدگی اختیار کی تھی جمیلہ نے یہ انگوٹھی بھی اُتار کر رکھ دی تھی..... پھر نہ جانے کیا سوچ کر اُس نے انگلی سے انگوٹھی اُتار لی۔

اسی لمحے دروازے پر دستک کی آواز ہوئی۔

جمیلہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں.....دروازے کی طرف بڑھتے وقت اُس نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی، اُس کا رنگ زرد ہو رہا تھا— مگر پھر بھی اُس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

حامد کھڑا مسکرا رہا تھا، مگر اس کے ساتھ وہ کچھ محجوب سا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے گھر کے دروازے پر نہیں کسی اجنبی گھر کے دروازے پر دستک دینے آیا ہو اور اُسے ڈر ہو کہ کہیں اس گھر کے رہنے والے اسے پہچاننے سے انکار نہ کر دیں۔ وہ کچھ کمزور اور اپنی عمر سے زیادہ کا لگ رہا تھا جیسے جدائی کی موت نے اُسے بوڑھا بنا دیا تھا، جمیلہ نے حسب عادت جلدی سے اُس کے بازو پر پڑا ہوا کوٹ اُٹھا لیا اور اُسے ڈرائنگ روم میں لے آئی، وہ حامد سے اس کی نئی ملازمت کے بارے میں پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ اُس نے دیکھا، وہ کمرے کی ہر چیز کو یوں دیکھ رہا ہے، جیسے انھیں پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو، پھر وہ آگے بڑھ کر اُس گلدان پر ہاتھ پھیرنے لگا جو انھوں نے بڑے چاؤ سے خریدا تھا، پھر وہ جمیلہ کی طرف گھوما— ''سوری جمیلہ! میں.....میں ماضی کے جزیرے پر چلا گیا تھا.....تم کیسی ہو؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں—'' جمیلہ نے آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے کہا— ''تم نے لکھا تھا تم سمندر پار جا رہے ہو—؟''

''ہاں! میں اگلے ہفتہ دبئی جانے والا ہوں—''

''ارے.....اتنی جلدی.....؟'' جمیلہ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا تو حامد نے جمیلہ کی طرف حیرت سے دیکھا، مگر کچھ کہے بغیر کرسی پر بیٹھ گیا۔

دونوں ایک دوسرے کو خاموشی سے تکے جا رہے تھے، پھر جمیلہ نے سکوت توڑا— ''نہیں! میں نہیں چاہتی کہ تم دُبئی جاؤ.....کہیں بھی مت جاؤ حامد—''

پہلے تو حامد خالی خالی نظروں سے اس کی طرف تکتا رہا۔ جمیلہ اس کے اس ردِّعمل سے خوفزدہ ہوگئی، مگر جب حامد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی لکیر نمودار ہوئی جو بعد میں اس کے پورے چہرے پر پھیل گئی اور جس نے جمیلہ کو بہت کچھ بتا دیا.....سارا راز فاش کر دیا.....دونوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اُن کے درمیان اُگنے والی جدائیوں کی فصل کٹتی جا رہی ہو، جیسے اندھیرے چھٹ رہے ہوں اور مسرتوں کا نیا سورج طلوع ہو رہا ہو اور اب وہ کبھی ایک دوسرے سے نہیں بچھڑیں گے۔ اچانک پھر جمیلہ کے منہ سے نکلا— ''لیکن نائلہ! وہ ایسا نہیں چاہتی حامد....''

حامد کے چہرے پر ایک بار پھر اُداسی کے سائے لہرانے لگے، وہ خاموشی سے اُٹھا اور نائلہ کے بیڈروم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

سامنے منہ پھلائے نائلہ کھڑی کہہ رہی تھی— ''میں نے آپ لوگوں کی باتیں سُن لی ہیں اور میں جانتی ہوں کہ آپ دونوں نے کیا فیصلہ کیا ہے مگر آپ لوگوں کو میری کیا پروا.....''؟

''لیکن نائلہ یہ بھی تو سوچو کہ کبھی کبھی والدین سے بھی غلطی ہوسکتی ہے، کیا تم یہ چاہو گی کہ ہم اپنی غلطی کا ازالہ نہ کریں—؟''

''نہیں! آپ لوگ ایسا کر ہی نہیں سکتے—'' نائلہ نے چیخ کر کہا— ''ماں نے مجھے بتایا ہے آپ نے اُن کی وجہ سے گھر چھوڑا تھا۔ آپ چاہتے تو ایسی نوبت نہیں آتی، مگر آپ نے ایسا نہیں چاہا اور ہمیں چھوڑ کر چلے گئے.....آپ.....آپ ہم سے دوبارہ بھی منہ موڑ سکتے ہیں—''

''میں واقعی سزاوار ہوں اور یہ کانٹے بھی مجھے ہی سمیٹنا پڑیں گے—'' یہ کہتے ہوئے حامد نے پلٹ کر دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا، اس نے مایوسی سے جمیلہ کی طرف دیکھا اور صدر دروازے کی طرف بوجھل قدموں سے بڑھ گیا۔

جمیلہ بھاری دل اور آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے اُسے جاتا دیکھتی رہی، اسی وقت پھاٹک سے بیڈروم کا دروازہ کھلا اور نائلہ کی آواز گونجی— ''پاپا کہاں ہیں—؟''

''وہ چلا گیا نائلہ.....اب ہم اُسے کبھی نہیں دیکھ سکیں گے، تم بھی تو یہی چاہتی تھیں نا—؟''

''نہیں.....نہیں—'' یہ کہتے کہتے نائلہ صدر دروازے کی جانب دوڑی اور فراٹے سے باہر نکل گئی۔

جمیلہ نے غم اور مایوسی کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھ سوئیٹر کی جیبوں میں ڈال کر مٹھیاں کس لیں اور حسرت آمیز نظروں سے صدر دروازے کو گھورنے لگی، دروازہ پھر دھڑام سے کھلا اور حامد اور نائلہ ایک دوسرے سے چپکے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

جمیلہ کے لیے اب سارے عذاب کے لمحے گزر گئے اور چہرے پر مسرت و شادمانی کے شگوفے کھل اُٹھے اور کسی ہوئی مٹھیاں آپ ہی آپ کھل گئیں— تب اُسے احساس ہوا اس کی ایک مٹھی میں وہی شادی کی انگوٹھی دبی ہوئی ہے۔ جسے اُس نے اُتار کر سوئیٹر کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

حامد نے جلدی سے وہ انگوٹھی اور جمیلہ کا ہاتھ ایک ساتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور مسکراتی آنکھوں سے بیٹی کی طرف دیکھا اور پھر انگوٹھی جمیلہ کی انگلی میں پہنا دی۔

گھر ایک بار پھر خوشیوں کا گہوارہ بن گیا تھا۔

○○